

اقبال اور شوقی کی شاعری میں موسم بہار: ایک تقابلی مطالعہ

Abstract:

The Idea of Spring in the Poetry of Iqbal and Shawqi: A Comparative Study

In spite of their separate homelands and distances, the two poets Muhammad Iqbal and Ahmad Shawqi belong to the same generation. They were born in the last quarter of the 19th century and their poetic production continued beyond the first third of the 20th century. They were educated in the West; Iqbal studied in London, Shawqi in France. Both of them occupy a prominent place in their homelands; Iqbal is undisputedly the poet of the Orient while Shawqi is unanimously the prince (Emir) of the Arab poets. Iqbal calls for a different poetic horizon, mixing spectra of the elements of nature and its beautiful scenery as well as the accurate expressions in a colorful form of the subcontinental environment. Shawqi, on his part, reacted in many of his poems to the elements of nature, his poems are the fruit of hot temper and explosive mood where reason does not interfere to spoil the poetic image. His poetry is inundated with images like the Nile that embraced the ancient Egyptian civilization, nocturnal life, the crescent and vernal flowers.

Keywords: Iqbal, Shawqi, nature, imagery, spring, Arabic poetry, Urdu poetry.

یہ مقالہ اردو اور عربی ادب کے دو بڑے شاعروں کے یہاں فطرت کے عناصر کی وضاحت کا مطالعہ کرتا ہے۔ علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) کا شمار برصغیر پاک و ہند کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مشرقی شاعر ہیں۔ دوسرے شاعر احمد شوقی ہیں (۱۸۶۸ء-۱۹۳۲ء)، جنہیں شاعروں کے امیر کا نام دیا گیا تھا۔ یہ دونوں شاعر ایک ہی دور سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں کا تعلق بیسویں صدی کی پہلی تہائی سے ہے۔

اس مقالے کا اصل موضوع دونوں شاعروں کے ہاں موسم بہار کا ایک تقابلی مطالعہ ہے۔ یہ مطالعہ اقبال کی کتاب بال جبریل کو مدنظر رکھ کر کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کو اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ جہاں ایک طرف اس میں نیچر کے کئی ایک عناصر موجود ہیں تو دوسری طرف اس میں اقبال کے خیالات و نظریات اور سفر سپین و فلسطین کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ”مسجد قرطبہ“ ہے۔ ساتھ ساتھ دیگر اسلامی و تاریخی یادگاریں بھی۔ ان سب یادگاروں میں فطرت اور نیچر کے عناصر موجود ہیں لہذا بال جبریل فطرت سے متعلق بہترین شعری مجموعوں میں سے ایک ہے۔ جب کہ احمد شوقی کی شاعری کا مطالعہ ان کے مکمل کلام سے کیا جائے گا، جس کا نام نشو و نما ہے۔ شوقیات دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد کے دو حصے ہیں۔ احمد شوقی کا تعلق ”بعث“ کے مشہور علما سے تھا۔ ”ان کا ادبی اسکول ایک مخصوص تکنیکی انداز پر قائم ہے جس میں شعری عناصر کا فنکارانہ استعمال، موسیقیت، ہیئت اور تکنیکی حوالے سے کلام میں پختگی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اور پر عظمت فکری مواد بھی شامل ہے“۔^۱ دونوں شعرا ایک دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے عہد میں پوری اسلامی دنیا پر غیر ملکی مسلط تھے۔ برصغیر پاک و ہند، مصر اور دیگر عرب اسلامی ممالک، برطانوی نوآبادیات تھے۔ سعد زغول اور شوقی، مصر میں جب کہ علامہ محمد اقبال برصغیر پاک و ہند میں تھے۔ اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کا خواب دیکھا جو قیام پاکستان کی صورت میں شرمندہ تعبیر ہوا۔ دونوں شاعروں کی شاعری میں مغربی اور مشرقی تہذیب و تمدن کے درمیان موجود امتیازات کا بیان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے ملک کے ساتھ ساتھ پوری مسلم دنیا کو درپیش مسائل اور ان کے حل پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

سکسینہ کے بقول: ”ڈاکٹر محمد اقبال موجودہ زمانے کے فلسفی شعرا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں ان کی شہرت حدود ہندوستان سے نکل کر بلاد اسلام افغانستان و ایران بلکہ یورپ اور امریکا تک پہنچی۔ وہ عصر حاضر کی ایک زبردست اور نمایاں ہستی ہیں اور ان کا نام اور کلام شعرائے حال کی صف اولین میں بھی سب سے آگے ہے“۔^۲ علامہ اقبال ایک اہم ادبی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جس نے اردو ادب، خاص طور پر شاعری پر اثر ڈالا ہے۔ ان کے کارنامے اردو اور فارسی شعری مجموعوں کی صورت میں موجود ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ان کی نثری کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان کی کتابوں کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ہوا ہے۔ عربی زبان ان زبانوں میں سے ایک ہے۔

شوقی شرکسی، ترکی اور عرب خون سے مخلوط خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ضلع ”حنفی“ پاپلر قدیم قاہرہ میں رہتے تھے۔ ان کی ولادت کا سال ۱۸۶۸ء ہے جب کہ بعض ذرائع کے مطابق ان کی ولادت کا سال ۱۸۷۰ء ہے۔ وہ ابتدائی تعلیم سرکاری اسکولوں میں حاصل کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء میں قانون کی فیکلٹی میں داخل ہو گئے۔ دو سال بعد اسی فیکلٹی کے شعبہ

ترجمہ میں فرائض سرانجام دینے لگے۔ دیوان خدیو توفیق میں انھوں نے ایک ترجمان کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد میں وہ محکمہ ترجمہ کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصری حکومت کے اخراجات پر فرانس چلے گئے جہاں انھوں نے چار سال قیام کیا۔ اس چار سالہ قیام نے ان کے ذہن پر بہت زیادہ اثرات مرتب کیے۔ فرانسیسی فن و ادب کے ساتھ ساتھ یورپی تہذیب کا بھی انتہائی باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔ یہیں سے ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا اور اپنا پہلا ڈرامہ ”علی بیگ الکبیر“ تحریر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی نظموں کا ترجمہ کیا^۳۔

احمد شوقی کے کلام کی نمایاں خصوصیات میں موسیقیت، فکری گہرائی، جذبے کی شدت، معنوی تہ داری اور روایات کی پاسداری شامل ہیں۔ انھی خصوصیات کی وجہ سے وہ شاعروں کے امام کہلائے^۴۔ ۱۹۲۷ء میں تاج شاعری سے سرفراز کیے گئے۔ شوقیات کے علاوہ انھوں نے چھ منظوم ڈرامے بھی لکھے جن میں ”کلویاترا“، ”لیلیٰ مجنون“، ”قمبیز“، ”علی بیگ الکبیر“، ”عنترہ“، اور ”الست ہدی“ شامل ہیں۔ انھوں نے نثری ناول بھی لکھے جن میں عذراء الهند، فرعون الأخير، لادیاس اور رقہ الآس شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک نثری کتاب ”أسواق الذهب“ ہے۔

اقبال کی شاعری میں نیچر کے عناصر

فطرت ہر شاعر کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے کیوں کہ شاعر ہمیشہ سے حسن و خوب صورتی کا شائق ہوتا ہے۔ لہذا فطرت ہر عہد، ہر وقت اور ہر مقام پر شاعروں کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ جذبات و احساسات کو تنجیل کے قالب میں ڈھالنے کے لیے شاعری بہترین ذریعہ ہے۔ فطرت کے حسین مناظر کی تصویر کشی اقبال نے انتہائی مناسب اور خوب صورت الفاظ کے ذریعہ کی ہے۔ اقبال اور احمد کی شاعری پڑھنے سے پہلے اردو اور عربی ادب میں نیچرل شاعری کے تصور کی وضاحت ضروری ہے۔ اردو میں نیچرل شاعری سے مراد ”مضامین حیات کو شعر میں بغیر کسی مبالغہ، تصنع، اور تکلف کے پیش کیا جائے نیز پرانی طرز کے حسن و عشق سے باہر نکل کر مناظر قدرت کو شاعری کا حصہ بنایا جائے۔ لہذا آزاد اور حالی سمیت دوسرے شعرا نے بھی کائنات اور مناظر قدرت کو اپنی نظموں میں پیش کیا^۵۔“ مولانا الطاف حسین حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں:

بعض حضرات تو نیچرل شاعری، اس شاعری کو سمجھتے ہیں جو نیچریوں سے منسوب ہو یا جن میں نیچریوں کے مذہبی خیالات کا بیان ہو۔ بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ نیچرل شاعری وہ ہے جن میں خاص مسلمانوں کی یا مطلقاً کسی قوم کی ترقی یا تنزل کا ذکر کیا جائے۔ مگر نیچرل شاعری سے یہ دونوں معنی کچھ علاقہ نہیں رکھتے نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً اور معنی دونوں حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو^۶۔

لیکن بعد میں شرر نے نیچرل شاعری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

جس میں کوئی خیال بہت سادگی سے بند کیا گیا ہے یا جس میں سوز و گداز، جوشِ دل یا حسنِ دل فریب کی سچی تصویریں نظر آئیں، نیچرل شاعری ہے۔^۷

عربی ادب کے ڈاکٹر جودت رکابی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نیچرل شاعری ایک ایسی شاعری ہے جو فطرت کی نمائندگی کرتی ہے اور جس میں ایسے قدرتی ماحول کو پیش کیا جائے جس میں شاعر کے تخیل میں گہرائی اور عمدگی ہو۔^۸

رکابی مزید وضاحت کرتے ہیں:

ہمارے ادب میں اسی نوعیت کی شاعری نئی ہے جو مغربی ادب سے آئی ہے۔ ایسی شاعری اٹھارویں صدی کی آخری تہائی میں رومانیت کے علم برداروں نے تخلیق کی۔۔۔ رومانیت پسندوں نے فطرت کو محبوب اور دوست سمجھا۔ وہ نیچرل شاعری میں اپنے جذبات اور دلی کیفیات کا اظہار کرنے لگے۔^۹

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ”فطرت ہمیشہ عرب شاعروں کے لیے بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے اور ان کے آباؤ اجداد نے اسلام سے پہلے اپنی نظموں میں فطرت پر طبع آزمائی کی۔ اموی دور کے شاعر اپنے باپ دادا کے انداز شعوری طور پر اپناتے تھے۔ اکثر شعرا اپنے گھر بار کا ذکر زیادہ کرتے تھے۔ خاص کر ان کی شاعری میں صحرا کی خوب صورتی اور اس سے ملتے جلتے مضامین اپنے کلام کا حصہ بناتے تھے ان کی شاعری میں عہدِ رفتہ کی محبت کی یادیں بھی موجود ہیں۔“^{۱۰}

اگر ہم اقبال کی شاعری کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی بیشتر نظموں کی بنیادی خصوصیت ”فطرت“ ہے۔ علامہ ابو الحسن علی الندوی ان کے متعلق لکھتے ہیں: ”اقبال کی شخصیت چار عوامل سے مل کر بنی ہے۔ ان عوامل میں ایمان، قرآن مجید، اپنے آپ کو پہچاننا اور اپنی قدر و قیمت اور وقار کو برقرار رکھنا شامل ہیں۔ جب کہ چوتھے عنصر کے بارے میں ندوی لکھتے ہیں:

چوتھا عنصر جو ان کی شخصیت کی ساخت اور اس کی شاعری کے اثر و رسوخ کی طاقت اور نظریات و معنوں کی عظمت ہے جو کتابوں کا مطالعہ کرنے اور پڑھنے تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ پردہ کے بغیر سحر سے متعلق تھا۔ اللہ سے دعا مانگتا ہے۔ اپنی تکالیف کا شکوہ کرتا ہے۔ اسی دعا اور شکوے کی بدولت سحر ہوتے ہی نئی زندگی اور نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اپنے دوستوں اور قارئین کے لیے نظم لکھتے ہیں جس میں اپنے قارئین کو وہ نئی قوت، نئی زندگی اور نئی روشنی کا پیغام دیتے ہیں کیوں کہ اس سحر کی وجہ سے ہر روز تجدید ہو جاتی ہے اور اسی طرح ان کی شاعری کی تجدید بھی ہو جاتی ہے۔“

اقبال ”سحر خیزی“ کی اہمیت سے بھی بہ خوبی واقف تھے۔ وہ ان لمحات کو ایک قیمتی سرمایے سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر حضرات، سائنس دان اور علما سبھی اس بات پر متفق ہیں۔ اقبال کی طرح عطار، رومی اور غزالی بھی سحر خیزی کے سحر سے آزاد نہ تھے کیوں کہ وہ بھی سحر خیزی کی حکمتوں سے واقف تھے۔^{۱۱} وہ اپنی دعا کے ذریعے سے سحر خیزی کی حکمتوں کو نوجوانوں

کے دلوں میں منتقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے دلوں میں یہی سوز پایا جائے جو عطار، رومی، غزالی اور اقبال کے دل میں موجود ہے۔ انھوں نے اپنی بہت سی نظموں میں سحر انگیزی کو موضوع بنایا ہے۔ اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

چمن میں رختِ گلِ شبنم سے تر ہے
سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے^{۱۳}

یہ دوسری رباعی ہے جس میں اقبال نوجوانوں کو سحر کے جادو کی خوشی سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ بارگاہِ الہی میں دعا دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! میری یہ خواہش ہے کہ میری آہِ سحر سے ان شاہین بچوں کو بال و پر عطا کر۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے^{۱۴}

اقبال نے فطرت کے عناصر کو اپنے فلسفے کے مطابق ڈھالا۔ ان کی نظم ”ذوق و شوق“ اسی نوعیت کی ایک بہترین نظم ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۱ء میں فلسطین کا دورہ کیا اور یروشلم میں منعقدہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔ وہ برصغیر پاک و ہند کے نمائندے تھے۔ فلسطین کی فطرتی خوب صورتی نے ان کے جذبات و احساسات میں تلاطم برپا کیا۔ ان فطرتی مناظر نے ان کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے اپنے سینے میں پوشیدہ محبت کا اظہار کر ڈالا کیوں کہ فطرتی مناظر کا حسن ہمیشہ پوشیدہ رازوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ پیاروں کی یاد دل میں تازہ ہوئی اور دین اسلام کی محبت ان کے جذبات پر غالب ہوئی جس کا اظہار انھوں نے اپنی نظم ”ذوق و شوق“ سے کیا۔ ملاحظہ ہو:

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود
دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگِ برنگِ طلیساں
گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواح کاظمہ نرم ہے مثلِ پر نیاں

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں^{۱۵}

”ذوق و شوق“ کے علاوہ ”مسجد قرطبہ“ اور ”ہسپانیہ“ کے عنوان سے فطرت کے بارے میں جو نظمیں کہی، ان میں

بھی اپنے شاندار ماضی کی بازگشت اور مسلم حکومت کے نقوش کی ترجمانی موجود ہے۔ نظم ”ہسپانیہ“ کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
خیے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں^{۱۶}

علامہ اقبال ماضی کی قدروں اور اس کی تہذیب و ثقافت، عہدِ رفتہ اور ماضی کی عظمت اور جلال و جمال کو اپنی سرشت کا

حصہ تصور کرتے تھے۔ ثقافت کا معیار جلال و جمال کی قوت پر ہے۔ ذوق و شوق اور قول و فعل میں توازن ہونا ہی تہذیب ہے۔

توازن کو سمجھنے کے لیے اقبال کی نظم ”جلال و جمال“ سے دو اشعار پیش خدمت ہیں:

مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجود ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر
نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک^{۱۷}

کبھی کبھی اقبال کی شاعری ذاتی یا خود مختار ہو سکتی ہے۔ اس میں فطرت اور فطرت کے ساتھ بات چیت کا تصور

ہو سکتا ہے۔ یہ بات چیت کبھی عناصرِ فطرت کے درمیان تو کبھی شاعر اور فطرت کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل نظم

میں بڑی خوب صورتی سے فطرت کی عکاسی کی گئی ہے:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغِ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیر بن
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
حُسنِ بے پردہ کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بتا نہ بن، اپنا تو بن^{۱۸}

اقبال کے تخیل کا انحصار زندہ اور خاموش فطرت پر ہے۔ اقبال اپنی نظموں میں فطرت کو ایک زندہ ہستی کی طرح پیش کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چاند، ستارے اور سورج گفتگو کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو کم از کم سب کچھ سنتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی نظم ”اذان“ ملاحظہ ہو:

اک رات ستاروں سے کہا نجم سحر نے
آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مریخ، ادا فہم ہے تقدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا، اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس کرمک شب کور سے کیا ہم کو سروکار!^{۱۹}

اقبال نے اپنی شاعرانہ زبان کو تشکیل و ترتیب دینے کے لیے فطرت کے عناصر کا استعمال کیا، اپنے جذبات و تجربات کو موثر طریقے سے لوگوں تک پہنچایا۔ انھوں نے اپنے سینے میں موجود خدشات (جس سے ایک مسلمان دوچار ہو سکتا تھا) کو شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ انھوں نے بے زبان فطرت کو زبان دی۔ جس کا مقصد زمین، درخت، پھول، دریا، پہاڑ، آسمان، ستارے، ہوا، بارش وغیرہ کو اپنا ہم نوا بنانا تھا۔ اسی طرح اقبال نے فطرت کے زندہ عناصر (مثلاً جانور، کیڑے اور پرندوں) کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ان عناصر کو زبان دے کر ان سے ایک اصلاحی کام لیا گیا۔ اقبال نے اپنے کلام میں انھی کرداروں کو پیش کر کے بچوں کی اصلاح کے لیے کئی موثر نظمیں تخلیق کیں۔ بہت سے فلسفی اور ادباء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اقبال نے ان کرداروں سے پوری دنیا کے بچوں کے لیے اخلاقی اور اصلاحی ادب تخلیق کیا۔ محی الدین صالح کے مطابق:

اقبال بچوں کی نفسیات سے بخوبی آگاہ تھے، انھیں معلوم تھا کہ بچے کس قدر جانوروں سے محبت کرتے ہیں۔ شعر جب تخلیقی زبان سے پُر ہو اور یہ جانوروں کی زبانی بیان ہوتا ہے تو یہ بچوں کے دل و دماغ پر بہت زیادہ اثر کرتا ہے۔ بچے کلام موزوں کی آہنگ کو پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کی توجہ اس اصلاحی کلام کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور بچوں کے جذبات اس مقصد کی جانب گامزن ہو جاتے ہیں جس کو حاصل کرنے کے لیے اقبال نے شاعری کا سہارا لیا تھا^{۲۰}۔

ان نظموں میں ”شیر اور خچر“، ”چیونٹی اور عقاب“، ”عقاب“، ”ایک مکڑا اور مکھی“، ”ایک گائے اور بکری“، ”پروانہ اور جگنو“ وغیرہ شامل ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اقبال نے یہ تمام نظمیں بچوں کے لیے لکھی ہیں، جس کا بنیادی مقصد وعظ و نصیحت اور اخلاقی اصلاح تھی، نظم ”چیونٹی اور عقاب“ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

چیونٹی

میں پامال و خوار و پریشان و دردمند
تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟
عقاب

تُو رِزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نے سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں! ۲۱

اس نظم میں اقبال نے فطرت کو انسانیت کی حد تک زندہ کر دیا ہے۔ چیونٹی، عقاب سے شکایت کرتی ہے کہ میں اپنے رزق کی تلاش میں کیوں سرگرداں ہوں، جب کہ تُو آسمان میں محو پرواز ہے؟ عقاب نے اپنے جواب میں کہا کہ اس میں خدا کی حکمت ہے۔ تو اپنا رزق اس مٹی میں تلاش کرتی ہے لیکن میری نظر میں آسمان ہے۔ ”شاہین“ کی ایک خاص منزلت ہے جس کی وجہ سے وہ فطرت کا ایک اہم عنصر بن جاتا ہے۔ انھوں نے ایک نظم ”شاہین“ کے عنوان پر لکھی ہے۔ ”شاہین“ کو اقبال نے مشرق کی پہچان اور ایک آزاد و خود مختار شخص کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ یعنی شاہین کو اس مرد قلندر کی صورت میں پیش کیا گیا جو فطری طور پر آزاد ہو، اللہ کے عشق میں مست اور دنیاوی حاکموں سے بے نیاز ہو۔ اس حوالے سے نظم ”شاہین“ سے اقتباس ملاحظہ ہو:

کیا میں نے اُس خاکِ داں سے کنار
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
پرنندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہین بنانا نہیں آشیانہ ۲۲

فلسفہ اقبال کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی توجہ ان تصورات پر مرکوز کریں جو اسلامی تہذیب و ثقافت کی اساس ہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر مسلمان قوم، فرنگی تہذیب کی پیروی کرے گی تو پھر ایک صالح اور مثالی معاشرہ تعمیر نہ ہو سکے گا۔ اقبال نے اس بات کی طرف کئی ایک نظموں میں اشارہ کیا ہے جس میں ”ایک نوجوان کے نام“ اہم ہے۔ علامہ اقبال اس نظم میں تہذیب فرنگ، شکوہ خسروی اور استغنا، فقر سلطانی اور شاہین کے ذریعے معاشرے کا مثالی فرد بننے کا پیغام دیا ہے:

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی
نہیں تیرا نشین قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے، بے را کر پہاڑوں کی چٹانوں میں ۲۳

اقبال کے خیال میں معاشرے اور ماحول سے تہذیب و ثقافت متاثر ہوتی ہے۔ پہلے ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر و تشکیل ضروری ہے اور ایسا کرنے کے لیے صحت مند افراد کی ضرورت ہے۔ اقبال اپنی نظم ”جاوید کے نام“ میں صرف اپنے بیٹے جاوید سے نہیں بلکہ پوری قوم کے نوجوانوں سے مخاطب ہیں:

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ^{۲۴}

شوقی کی شاعری میں نیچر کے عناصر

شوقی کی آنکھیں، کائنات کی عظمت کا تصور محسوس کرتے ہوئے، کائنات کے عروج کو مد نظر رکھتی ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خالق اور مخلوق کے تعلق کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں:

قدرت ہمارے سامنے نمودار ہوئی ہے اس لیے خالق کی عظمت پر غور کرنے کے لیے رک جاتے ہیں۔ خالق کی تخلیق کی وجہ سے آپ کے آس پاس آسمان و زمین لرز اٹھے ہیں اور یہ عظمت قرآن مجید کے قاری کے لیے سورت الفاتحہ کی حیثیت سے کم شان والی نہیں ہے۔ یہ خدا کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے اور اس کے لیے علمائے کرام کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی اس میں شک کرتا ہے، وہ اللہ کے عجائبات دیکھے تاکہ اس کا یہ شک دور ہو جائے^{۲۵}۔

شوقی کی نیچرل شاعری کو اقبال کی نیچرل شاعری کی طرح دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی زندہ اور خاموش فطرتی عناصر۔ زندہ فطرت جانوروں اور پرندوں کی شکل میں ہے۔ شوقی نے خاموش فطرت کے عناصر کا اظہار کئی نظموں میں کیا ہے۔ دوران سفر انھوں نے جن علاقوں کو دیکھا، ان کو بہ کثرت اپنی شاعری میں جگہ دی۔ مثلاً مصر میں سونیکس (Great Sphinx of Giza)، پیرامڈز (pyramids)، الازہر (Al-Azhar University)، جزیرے، گیرا (Giza) ایک شہر کا نام، اسوان (Aswan) ایک شہر کا نام، نیل (The Nile)، صحرائے عرب (Arabian Desert)، ابو قیر (Abu Qir) ایک شہر کا نام، توت عنخ آمون (Tutankhamun) وغیرہ اور مصر کے علاوہ سویسرا کے قدرتی مناظر، آستانہ جاتے ہوئے پہاڑوں، بسفورس میں صبح کے وقت سورج کے طلوع ہونے کا منظر، دمشق، اندلس اور ٹوکیو کے قدرتی مناظر اور پیرس میں بوولویا (Parc de Belleville) کو اپنی شاعری میں جگہ دی^{۲۶}۔ شوقی جب خاموش فطرت کی وضاحت کرتے ہیں تو اس خاموش فطرت کی حدود سے انسانیت کی حدود تک جا نکلتے ہیں۔ اپنی نظم ”توت عنخ آمون“ میں وہ تصور کرتے ہیں کہ سورج ایک ایسا آدمی ہے جو ان کے ساتھ بات چیت کرتا ہے۔ زیادہ تر شعرا مدح یا تعریف میں

فطرت کے عناصر کا بھرپور استعمال کرتے ہیں جیسے سورج، چاند لیکن شوقی ان سے مختلف ہیں کیوں کہ وہ سورج کو ایک انسان تصور کرتے ہیں اور سورج سے کہتے ہیں کہ مجھے ماضی کی باتیں بتا۔ اس کے بعد انسانی فطرت کے تضادات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ انسان ہی انسان کو مارتا ہے۔ یہ ایک ایسی بلی کی طرح ہے جو اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے۔ نظم ”توت عنخ آمون“ میں وہ کہتے ہیں:

اے سورج! حالات کے بارے میں بتانے کے لیے رک جا۔ تم سے بہتر کوئی نہیں جو ہمیں حالات ماضی سے آگاہ کر سکے کیوں کہ تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، تم زمین پر مرنے والوں کے لیے جنت میں گواہ ہو۔ جس طرح تم بچوں کی پیدائش کے گواہ ہو، اسی طرح تم بزرگوں کی موت کے بھی گواہ ہو، تم نے زمین کی تباہی اور تغیر نو کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ جیسے بلی بھوک کے خوف سے اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے اور پھر مزید بچوں کی پیدائش کا انتظار کرتی ہے کہ ان کو کھائیں۔^{۲۷}

اس نظم میں سورج کی نظر سے دنیا کی ایک بُری تصویر پیش کی گئی ہے جو منفی پہلو ہے۔ آگے وہ اس نظم میں (منظر الشروق والغروب من أعلى سفينة حية) بہترین اور اچھے پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں:

جیسے ہی سورج طلوع ہوتا ہے، تاریکی روشنی میں بدل جاتی ہے؛ یہ کائنات کو بدل دیتی ہے جیسے ایک میاں بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح سورج کی موجودگی اور بارش دونوں ہی پودوں کی زندگی کا ذریعہ ہیں۔^{۲۸}

شوقی نے ”بولونیا“ کا ذکر بھی اپنے کلام میں کیا۔ جس طرح پہلے سورج کا تذکرہ کیا، یہاں بھی شاعر سورج سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ سورج کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اے بون پارک! ہمارے درمیان خوب صورت معاہدہ اور یادیں ہیں۔ میں آپ کے زیر سایہ محبت کا وقت گزار چکا ہوں۔ کیا یہ موقع پھر سے میری زندگی میں آئے گا؟ یہ ایک ایسا خواب ہے جو شرمندہ تعبیر ہو گا لیکن اس کا حصول مشکل ہے۔ اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جاتا ہے اور یہ خوب صورت یادیں واپس آجائیں تو کیا میری جوانی واپس آسکتی ہے؟^{۲۹}

کئی نظموں میں شوقی نے عناصر فطرت میں سے پہاڑوں کا حال بیان کیا، جس کو انھوں نے ایک سے زیادہ نظموں میں بیان کیا، نظم میں ”بلدة المؤتمر لناظرها فى بهجة مناظرها“ کے ذریعہ شوقی نے پہاڑ کی رنگینی کو انتہائی خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے پہاڑ کی چوٹی کی اونچائی کا ذکر کیا ہے اور بادل و پہاڑ کی سرگوشیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ پہاڑ پر اگنے والے پودوں اور مترنم آبشاروں کا ذکر بھی ان کے کلام میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

پہاڑوں کی جسامت ایک دوسرے مختلف ہے یعنی چھوٹے اور بڑے۔ پہاڑوں کا رنگ برف سے ڈھکنے کی وجہ سے سفید اور پودوں کے سبز رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان پر بادلوں کا سایہ ہے، ان پہاڑوں کا استحکام اور ثبات مختلف ہیں، کچھ پتھر بھی نیچے گزرنے کی تنبیہ دیتے ہیں، یہ پہاڑ جیسے اندھے اور گونگے آدمی ہیں، رات کے وقت ستارے اس کے ارد گرد چمکتے رہتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان میں موتی جیسے چمکدار پتھر موجود ہیں۔^{۳۰}

محمد عبدالمطلب کے مطابق:

فطرت کی دو اقسام ہیں، حقیقی (اصلی) اور غیر حقیقی (عارضی)۔ حقیقی (اصلی) فطرت وہی ہے جو قدرت کی حقیقی کرشموں کی ترجمانی کرتی ہے جس نے شاعر کے حواس پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ دوسری غیر حقیقی (عارضی) فطرت ہے جس کے لیے حقیقی فطرت میں مثالیں ڈھونڈی جاتی ہیں^{۳۱}۔

شوقی کی شاعری میں حقیقی (اصلی) فطرت کی تصویریں موجود ہیں مثلاً موسم بہار، بکیرہ روم، بولوبوا، اور جہاز کے اوپر چاند کے طلوع ہونے کا منظر یا طلوع وغروب آفتاب، کھجور، چاند وغیرہ۔ جب کہ غیر حقیقی (عارضی) فطرت بھی ان کی زیادہ تر نظموں میں موجود ہے جیسے نظم ”دمعۃ وابتناسمۃ“۔ شوقی نے یہ نظم خدیو عباس ثانی (۱۸۷۴ء-۱۹۴۴ء) کی ماں کی ترکی سے واپسی پر لکھی مبارکبادی اور مقتول شہزادے امیر عبدالقدیر کے لیے اظہار افسوس پر لکھی۔ طلوع وغروب آفتاب کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ شوقی لکھتے ہیں:

یہاں آؤ کتنا مفرد سورج ہے۔ آپ کو سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ، سمندر کی طرح بہت سخت ہیں، انھیں ان بُرے لوگوں کو دینے سے نہ روکو، آپ سورج کی مانند ہیں جو طلوع کے وقت امید دیتا ہے اور غروب آفتاب کے وقت دیکھنے والوں کو خوفزدہ کرتا ہے^{۳۲}۔

شوقی کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جب بھی فطرت کی تصویر کشی کرتے ہیں تو تمام جزئیات کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس نظم میں ”ابھا النیل“ کے تذکرے سے دریائے نیل کی وفا^{۳۳}، فرعون کی یاد، نیل میں خوب صورت دوشیزہ کو دلہن بنا کر پھینکنے پر نیل کے پانی کا دوبارہ پورا ہونا، یہ سب واقعات آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

یہ تقریب پورے مشرق کی خوشی ہے۔ اس جشن میں فرعون ایک خوب صورت دوشیزہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ جشن کی رسومات کی ادائیگی کے وقت، موت کی بو اس جگہ غلبہ پاتی ہے۔ لوگ اس پروقار تقریب کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ لڑکی طویل سوچ و بچار کے بعد اپنی قربانی دینے کے لیے راضی ہو جاتی ہے۔ یہ اس عظیم تقریب کی یادگار ہے^{۳۴}۔

جب ہم شوقی کی زندہ فطرت کی شاعری پڑھتے ہیں تو محسوس ہوا ہے کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی زبانی سبق آموز اور متاثر کن کہانیاں بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان سبق آموز اور متاثر کن کہانیوں میں ”پنچ تنتر: کلیلۃ ودمنہ“، ”ضیافتہ قطۃ“، ”الصيد والعصفور“، ”البلابل التی رباھا البوم“، ”الدیک الہندی والدیک البلدی“، ”العصفور والغدير المهجور“، ”الافعی النبیلۃ والعقربۃ الہندیۃ“، ”السلوقی والجواد“، ”فار الغیط وفار البیت“، ”الشاة والغراب“، ”الاسد و وزیرہ الحمار“، ”الاسد والثعلب“، ”القرد والفیل“، ”سلیمان والہدھد“، ”سلیمان والطاوس“ وغیرہ شامل ہیں۔ ”الثعلب الذی انخدع“ میں سے ایک مختصر کہانی پیش خدمت ہے:

ایک دن لومڑی نے گاؤں کے ایک فریادی کو فریاد کرتے ہوئے سنا: اے لومڑی، اس نے کہا: یہ میرا فخر ہے میں ایک مثال (ضرب المثل) بن گیا ہوں۔ اگر میں ان گاؤں والوں کے پاس آتا تو میں ان کی حیرت بڑھاتا اور شاید بدلے میں میں ایک مرغی اور ایک خرگوش ذبح کرتا۔ جب لومڑی گاؤں پہنچی تو اس نے [لوگوں سے] گستاخانہ انداز میں باتیں کیں۔ ایک شخص نے لومڑی کو کان سے پکڑا اور کتے کو کھیلنے کے لیے دے دیا، لہذا کسی پر بھی بھروسہ نہ کرو، جو کمر کا ارادہ رکھتا ہو، شاید لومڑی کو بیوقوف بنایا گیا^{۳۵}۔

کیڑوں کی دنیا میں شوقی نے ”مملکت النحل“ کو منتخب کیا۔ شوقی نے اس شاندار اور منظم سلطنت کے ذریعے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ ”مملکت النحل“ کے تمام شہریوں کی سماعت، اطاعت، انجینئرنگ اور شاندار مہارت پر انھوں نے روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ اقبال اور شوقی نے یکساں انداز میں فطرت کا خاکہ کھینچا ہے۔ شوقی نے بھی پرندوں اور جانوروں کی زبانی منظوم کہانیاں پیش کی ہیں اور اقبال نے بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اقبال نے یہ کہانیاں بچوں کے لیے لکھیں۔ جب کہ شوقی نے شوقیات کے چوتھے حصے کے اختتام پر بچوں کا دیوان بہ عنوان ”بچوں کی خصوصی نظمیں“ لکھا۔ اسی دیوان سے بچوں کے ادب اور ثقافت پر مبنی نظم ”القطعة والنظافة“ ملاحظہ ہو:

میری بلی ایک دوستانہ جانور ہے، گھر سے باہر نہیں نکلتی، چوہوں کو پکڑتی ہے، کوئی چوہا ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ گھر کی چھت پر جا سکے، بلی کھال سے بنا لباس پہنتی ہے^{۳۶}۔

اقبال اور احمد شوقی کی شاعری میں بہار

موسم بہار میں ماحول صاف اور آسمان پر نیلے رنگ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ موسم معتدل رہتا ہے۔ ہریالی کی وجہ سے باغات سبز قالین جب کہ گندم کے کھیت زمرہ سے بنے فرش کا منظر پیش کرتا ہے۔ ان تمام مناظر کو دیکھ کر شاعر کے دل میں گدگدی ہوتی ہے اور وہ ان مناظر کو پیش کرنے کے لیے نظم گوئی پر مائل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس موسم سرما میں پہاڑ اور زمین برف سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ ہر طرف تاریکی اور آسمان بادلوں کی لپیٹ میں ہوتا ہے۔ ٹھنڈی وجہ سے سورج کی حرارت محسوس نہیں ہوتی۔ نہ ہی پرندوں کی خوب صورت اور مزمن آوازیں سنائی دیتی ہیں اور نہ ہی وہ محو پرواز نظر آتے ہیں۔ باغات پھل پھول سے خالی نظر آتے ہیں۔ ایسا ماحول شاعر کے دل میں اداسی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ شاعر جب موسم بہار میں سیر کو نکلتا ہے تو گل و بلبل، رنگینی اور ہر طرف پھیلی ہوئی سرسبزی و شادابی اس کے دل کو بھا جاتی ہے۔

اقبال کے ہاں بابل جبریل کی نظموں اور غزلوں میں بہاریہ مضامین کثرت سے ملتے ہیں لیکن میں یہاں صرف ”ساقی نامہ“ کا تذکرہ کروں گی۔ اس نظم کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے ”بہار“ کے نام سے کیا ہے جب کہ علامہ ابوالحسن ندوی (۱۹۱۳ء-۱۹۹۹ء) نے ”رسالہ الساقی“ کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ میری رائے میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے

ترجمہ کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اقبال نے اس نظم کا آغاز موسم بہار سے کیا۔ اس نظم میں کل ننانوے اشعار ہیں جن کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس نظم کا پہلا حصہ صرف موسم بہار کے بارے میں ہے۔ جب کہ شوقی دو نظموں میں بہار سے مخاطب ہیں۔ ایک طویل نظم ”الربیع و وادی النیل“ ہے۔ یہ نظم انھوں نے مشہور انگریزی مصنف، ہال کین (Hall Caine- ۱۸۵۳ء- ۱۹۳۱ء) کے لیے لکھی تھی۔ دوسری نظم انھوں نے اپنے اعزاز میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں پڑھی تھی۔ اگر ہم قدیم اور جدید عربی شاعری کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یقیناً شوقی سے پہلے کسی شاعر نے بھی موسم بہار پر اتنی بہترین نظمیں نہیں لکھیں۔

اقبال نے ”ساقی نامہ“ میں شعوری اور غیر شعوری، دونوں حوالوں سے بہار کا تذکرہ کیا۔ اگر اس نظم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو اقبال کے کلام میں ایک نئے اور انوکھے پہلو کی نشاندہی ہو سکتی ہے۔ ایک ایسا پہلو جس میں موسم بہار کی ہوا، سرسبز و شاداب وادیاں، درخت اور پھولوں سے بھرا جنگل موجود ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہار کا موسم اپنے ساتھ خوشی، زرخیزی اور زندگی کے عناصر ایک قافلے کی صورت ساتھ لایا ہے۔ پہاڑ کے دامن میں پھولوں کی بکھری خوشبو، کھلے غنچے اور پتھروں سے پانی کے بہنے کا منظر دل فریب دکھائی دیتا ہے۔ بہار موسم کو خوشگوار بناتی ہے، پرندے گھونسلوں سے اڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ چشمے بہنے لگتے ہیں، کہیں عیاں تو کبھی پنہاں۔ پانی مختلف راستوں سے گزر کر اور پتھروں سے ٹکراتے ہوئے ایک مترنم آواز جیسے کوئی ستار بجا رہا ہو یا موسیقی کے دھنوں کی مشق کر رہا ہو، کا باعث بنتا ہے۔ یہ ہم آہنگ موسیقی پیام دے رہی ہے کہ زندگی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے۔ اقبال نے اس نظم کو انتہائی خوب صورت پیرائے میں پیش کیا ہے جس میں ہر پل موسم بہار کی خوب صورتی نظر آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہوا نیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
گل و زنگس و سون و نسترن
ہبید ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طہور
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
سناقی ہے یہ زندگی کا پیام^{۳۸}

موسم بہار شوقی کے کلام کے بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ شوقی اس نظم میں قدیم شعرا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے موسم بہار سے متعلق عام مضامین کو انتہائی خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔ وہ موسم بہار میں پھولوں، کھیتوں، درختوں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہیں اور اس حوالے سے اپنے احساسات بھی قلم بند کیے ہیں۔ انھوں نے چمن میں موجود مختلف پھولوں کی رنگینی اور خوب صورتی بیان کی ہے جس کا آغاز نسترن سے ہوا ہے جو سفید رنگ کا ایک خوب صورت پھول ہے۔ نسترن کی پتیوں پر شبنم کے قطرے چمکتے نظر آتے ہیں۔ یاسمین پھول کی پتیوں کی چمک صبح کی روشنی سے مشابہ قرار دیا ہے۔ انار کے پھول کا رنگ سرخ ہے۔ ایسا رنگ عموماً قصائی پسند کرتے ہیں۔ یہ پھول قصائی کے ہاتھ پر رنگوں کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ بنفشج (violet) پھول قریبی رشتہ دار کے داغ مغارت کے تاثر کو بھارتا ہے۔ وہی غم اس پھول میں چھپا ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بھی شوقی نے نظم میں کیا ہے کہ جلد سے جلد حقیقت قبول کر کے حالات سے سمجھوتہ کرنے میں بہتری ہے۔ اسی طرح خواطر کا پھول بھی غم کی علامت ہے اور شاعر نے اس پر کیفیت غم کا اظہار بھی کیا ہے۔ سرو ایک قدآور درخت ہے جسے شوقی نے قیمتی لباس میں ملبوس ایک خوب صورت دوشیزہ سے مشابہ قرار دیا ہے۔ کھجور کے قدآور درخت کو محبوب کی آرائش میں اضافے کا باعث گردانا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نسرین کا پھول اس کی شانوں پر شبنم کی طرح ہے جو سپاہی کے سینے پر رکھا ہوا ہے۔ اور یاسمین کا پھول پاکیزگی میں اسی طرح ہے جیسے روادار شخص کا دل۔ اس کی روشنی شانوں کے درمیان نکلنے والی روشنی سے ملتی ہے جیسے صبح، جلنا کا پھول آگوشی کی طرح ہوتی ہے جسے قاتل پہنتے ہیں جب کہ بنفشج کا پھول اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی پیارے سے محروم ہو جاتا ہے۔ خواطر کا پھول ایک ہی وقت میں غم اور کولتا کو ظاہر کرتا ہے جیسے غم کی کیفیت میں ایک شاعر کے جذبات۔ سرو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے ایک مہنگا لباس پہننے والی لڑکی کی ٹانگیں۔ کھجور کے درخت لمبے، اور سجاوٹی شکل میں نظر آتے ہیں^{۳۹}۔

وہاں سنگِ مرمر کی دیوار جیسی فضا ہے۔ بادل شتر مرغ کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور آسمان میں محو پرواز ہیں۔ سورج کی سنہری کرنیں ایسے دکھائی دے رہی ہیں جیسے دھن شادی کے دن سونے کا لباس پہنے ہوئے ہے۔ پانی بھی پارہ سے زیادہ شفاف اور چمک دار دکھائی دے رہا ہے۔ جس جگہ پانی اور سورج کی کرنیں ملی ہوئی نظر آتی ہیں تو یہ منظر نیلوفر^{۴۰} کی طرح دکھائی دیتا ہے^{۴۱}۔

”ساقی نامہ“ میں اقبال نے ایک شاندار تکنیک استعمال کی ہے۔ یہ تکنیک لفظی ڈرائنگ کی تکنیک ہے۔ نظم پڑھتے ہوئے آپ کے سامنے ایک حیرت انگیز قدرتی آرٹ دکھائی دے گا۔ اقبال نے ایک بہترین فنکار کی طرح موسم بہار کی خوب صورت تصویر پینٹ کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اقبال نے اپنی نظموں میں مستعمل تمام تکنیکیوں کو بہتر بنایا ہے۔ قدیم زمانے کے ماہرین عرب کہا کرتے تھے:

بہترین شعر وہ ہے جو قاری کا نقطہ نظر تبدیل کرے۔ لاطینی زبان کے ماہرین نے اس قول میں ترمیم کر کے بتایا کہ شاعری ایک قسم کی ڈرائنگ ہے۔ یاد رکھیں کہ الجاحظ نے کہا تھا کہ شعر اور نظم اور فوٹو گرافی کی فتح تھی۔۔۔ اور محمد عبدو، جنھوں نے شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا موازنہ آرٹ اور پینٹنگ سے کرتے ہوئے کہا: ”مصورى خاموش شاعرى ہے اور شعر ایک ڈرائنگ ہے“^{۴۲}۔

اقبال نے پہاڑ سے پانی کے بہاؤ کی رفتار کو بیان کیا ہے جو اچھلتی پھسلتی مختلف راستے اختیار کرتی ہے۔ سخت پتھر سے ٹکراؤ کی صورت میں اس پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ نظم کے مصرعوں میں ایسی ہم آہنگی ہے گویا موسیقاروں کا ایک گروہ زندگی کے گٹار پر گیت گا رہے ہیں:

وہ جوئے گھستاں اُچکتی ہوئی
اُکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اُچھلتی، پھسلتی، سنہلکتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رُکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ^{۴۳}

شوقی بھی، اس تکنیک میں کامیاب ہوئے، انھوں نے الفاظ کے ذریعے بہار کی ایک حسین تصویر بنائی، جس میں دیہی علاقوں میں آبیاری کا بیان ہے، جہاں پانی کی حرکت اور آواز ایسی ہے جیسے عورت کسی آدمی کے مرنے پر رو رہی ہو اور ماتم کے انداز میں آنسو بہا رہی ہو۔ جیسے اونٹ کو پیٹ میں پانی کی موجودگی کے باوجود پیاس کی شدت کا سامنا ہو۔ ایک وقت میں مشکلات درپیش تو دوسرے وقت آرام میسر۔ اس کے باوجود وہ پابند ہیں۔ اس کے پڑوسی اندھے ہیں، اندھیرا، ظلم اور لاچارگی محسوس کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

پانی کا چشمہ کسی دیہاتی عورت کی فریاد کی طرح معلوم ہوتا ہے جو کسی شخص کی موت پر چیخ رہی ہو۔ یہ رونا اس فرد کے لیے خوف کا باعث ہے جو اس کے غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ اداسی حقیقت نہیں ہے لیکن ان کے یہ آنسو بہت ساری واردات و سائنحات کا مجموعہ ہیں۔ یہ آبی گزرگا ہیں عورتوں اور پیاسوں کے مماثل ہیں۔ ان کی گردنوں میں یہ آبی گزرگا ہیں، تھکاوٹ کی شدت سے پکارتی ہیں، کسی سرگرمی کی صورت میں ہنستی ہیں، جیسے اونٹ سرگرمی اور بدحالی کے درمیان جھڑے ہوئے ہیں، وہ جھڑے ہوئے ہیں، لیکن اندھا پڑوسی پابندیوں کی شدت سے دوچار ہے^{۴۴}۔

اقبال کی شاعری میں شراب کا ذکر بہ کثرت موجود ہے۔ یہ روایت زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ مے نوشی کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اقبال نے شراب اور اس سے متعلقہ مضامین مجازی معنوں میں استعمال کیے ہیں کیوں کہ اقبال کی شاعری میں شراب کو ایمان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ساقی سے مراد خالق حقیقی ہے اور نشہ مے سے مراد اسلامی تعلیمات ہیں۔

اقبال ساقی ازل سے مخاطب ہے کہ اے اللہ ان کمزور اور زبوں حال مسلمانوں کے حال پر رحم کر اور ان کو طاقت دے کر اپنے دشمن پر غالب ہونے کی توفیق عطا فرما۔

اقبال ساقی ازل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ بہار ہمیشہ نہیں رہتی، اس لیے اے اللہ مجھے وہ معرفت عطا کر، وہ تعلیمات عطا کر جس سے ضمیر زندگی روشن رہے اور وہ نشہ و جذبہ میرے سینے میں پیدا کر جس سے کائنات میں جوش و خروش ہو۔ وہ جذبہ و تڑپ مجھے عطا کر جو میرے اجداد کے دلوں میں موجود تھا اور جس مقصد کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے، وہ راز مجھ پر افشا کر۔

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصلِ گلِ روزِ روز
وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے مولے کو شہباز سے ۴۵

شوقی بھی اپنے کلام میں شراب کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ روایتاً مجازی معنوں میں۔ مندرجہ ذیل نظم میں شوقی مارچ کے مہینے میں موسم بہار کی آمد کی وجہ سے زندگی میں ایک نئی قسم کی خوب صورتی محسوس کرتا ہے اور اپنے ساتھی کو اس موسم میں خوش آمدید کہہ رہا ہے جو ایک خوب صورت باغ کا میزبان ہے۔ وہ اس باغ میں اکثر اپنے پیاروں سے ملاقات کرتے ہیں۔ اپنے ساتھی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں تمام دوستوں کو سیر و تفریح کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ تمام دوست میرے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اس خوب صورت موسم سے لطف اٹھائیں۔ یہ لمحات ہر وقت میسر نہیں ہوتے اس لیے ان کو ضائع نہ کریں۔ خوب صورت پھولوں کے درمیان بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور مختلف دھنوں سے مسرور ہوتے جاتے ہیں۔ میں نے یہاں صرف ان دوستوں کی دعوت کی جو درخشندہ ستاروں کی طرح عالی وقار ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

مارچ کا مہینہ آیا ہے۔ بہار اس کے ساتھ آئی ہے۔ میرے دوست، بہار میں خوش آمدید۔ بہار جان کی جنت ہے۔ اس کے جھنڈے کے نیچے تفریح اور ناچنے والے دوستوں کو جمع کر کے کہتا ہوں: اپنے آپ کو ان تفریحی لمحوں کی لذت سے محروم نہ رکھیں۔ یہ لمحے ہر وقت دستیاب نہیں ہوتے۔ آؤ کھلے پھولوں کے بیچ بیٹھتے ہیں۔ شراب کی موجودگی میں

خوب صورت دھنوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ میں نے آپ کو ان تمام دوست احباب میں سے منتخب کیا جن کے چہرے چمکتے ہوئے ستاروں کی مانند ہیں^{۴۶}۔

اقبال اور شوقی کے درمیان مشترک عناصر

۱۔ نظم کے الفاظ کی ہم آہنگی: بیشتر نقاد نظم میں ہم آہنگی اور موسیقیت کے لیے الفاظ کے انتخاب پر زور دیتے ہیں۔ نظم میں اس عنصر کے فقدان سے اس کی خوب صورتی ختم ہو جاتی ہے۔ نظم میں روانی اور موسیقیت کی مثال ایسی ہے کہ پہاڑ سے مسلسل پانی کا بہاؤ ہو اور میٹھے مَر بھی پیدا ہو جائیں۔ کلام میں ثقیل الفاظ کے استعمال سے اجتناب ضروری ہے۔ یہی خصوصیات اقبال کی شاعری میں موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طُور
وہ جوئے مہبتاں اچکتی ہوئی
اچکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی، بھسکتی، سنہکتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی^{۴۷}

شوقی کے کلام میں بھی اقبال کی طرح الفاظ کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے کلام میں نوجوان اور موسم بہار میں موجود تازگی کو مماثل قرار دیتے ہوئے موت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہے کوئی پھول بغیر گناہ کیے دنیا سے رخصت ہو جائے۔ شوقی کہتے ہیں:

موسم بہار مجھے اپنی جوانی کے دنوں کی یاد دلاتا ہے، جو اپنی جیونیل اور خوب صورت یادوں کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ ایک ایسے پھول کی مانند ہے جو جلدی سے بغیر کسی جرم کے مرجھا گیا^{۴۸}۔

لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہترین ہم آہنگی وہی ہے جس میں الفاظ شعوری کوشش کے بغیر شاعر کے ذہن میں آئیں۔ یہ صفت فطرت کی عطا کردہ ہے۔

۲۔ رنگوں کا استحکام: فطرت کے بیان کے لیے رنگین بیانی اور خوب صورتی اہم عناصر شمار ہوتے ہیں۔ شاعر خوب صورتی کو بیان کرنے کا اک جذبہ اور ادراک دل میں لیے بیٹھا ہے۔ شاعر فطرت کی عکاسی کرتے وقت الفاظ کے ذریعے ایسے مرقع پیش کرتا ہے جن میں فطرت کی خوبیاں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ شاعر ذاتی تجربے، تاریخی شعور، تنقیدی نظر، فنی دلچسپی اور مشاہدات کے ذریعے الگ الگ رنگوں کا ذوق رکھتا ہے جو بسا اوقات ان کی پہچان بن جاتی ہے۔ ان خوبیوں کی بنا پر مرقع کشی صرف علم کا ذریعہ نہیں بلکہ تخلیقیت اور آزادی رائے کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے^{۴۹}۔ ملاحظہ ہو:

گل و نرگس و سون و نستر
شہید ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں ۵۰

جیسا کہ ایک دوسری نظم میں رنگ کے مرکبات ظاہر ہوتے ہیں:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغِ چمن
بھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُدے اُدے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن ۵۱

احمد مختار عمر کے مطابق:

سرخ رنگ، سورج کی چمک، آگ اور گرمی کی شدت، روشنی اور شعاع کی طوالت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ خوشی کا رنگ ہے۔ سرور کا رنگ ہے۔ سرخ رنگ اقتدار، زندگی اور تحریک کا مثبت نشان ہے ۵۲۔

یہاں سرخ رنگ خوشی و سرمستی کا نشان ہے۔ زندگی میں حرکت و عمل کا نشان ہے۔ ان رنگوں میں نیلے اور پیلے رنگ کا بھی تذکرہ ہے۔ نیلا رنگ وقار، استحکام، سکون اور حکمت و دانائی کی علامت ہے۔ نیلے رنگ کے اور بھی کئی مطالب اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اگر یہ گہرا نیلا (بگنی) ہو تو کراہت اور نفرت کی علامت ہے۔ ہلکا نیلا رنگ پانی اور آسمان سے مشابہ ہے جو آرام دہی اور سردی کے اظہار کے لیے موزوں ہے ۵۳۔

پیلا رنگ ایک چمک دار رنگ ہے۔ یہ سورج کی سرخی کا ایک ذریعہ ہے جو روشنی اور زندگی کی علامت ہے۔ قدیم مصریوں نے اسے سورج دیوی کی علامت کے طور پر استعمال کیا تھا لیکن دوسری جانب یہ ایک منفی علامت بھی ہے۔ اسے بیماری کا رنگ بھی تصور کیا جاتا ہے۔ یہ خشک صحرا اور مردہ فطرت سے بھی منسوب ہے ۵۴۔

یہاں ایک مثبت اشارہ ہے کہ ایسا رنگ نظر آنے والوں کے لیے خوش کن ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

صَفَرَاءُ فَافْعَلْ لَوْ هَاتَسْرُ الثَّائِبِينَ ۵۵

ترجمہ: زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو ۵۶۔

شوق بھی نظمیں تخلیق کرتے وقت ایسے رنگوں کا استعمال کرتے ہیں۔ رنگ زندگی اور وجود کو قدر و منزلت عطا کرتے ہیں جو نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ کیا ہم خود کو کسی خاص رنگ میں دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ اگر زمین اپنے حقیقی رنگ میں دکھائی نہ دے تو ہمیں خوشی محسوس ہوگی؟ شوقی کہتے ہیں:

پہاڑ جسامت میں چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں۔ ان کے رنگ بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ یہاں برف سے ڈھکے سفید پہاڑ ہیں تو دوسری طرف بے شمار پودوں سے ڈھکے سبز پہاڑ ہیں^{۵۷}۔

سفید رنگ پاکیزگی، روشنی اور خوشی کی علامت ہے۔ یہ رنگ آرام، امید، نیکی، سادگی اور محبت کی علامت ہے۔ قدیم زمانے میں سفید رنگ رومن دیوتاؤں کے لیے مخصوص تھا۔ اس رنگ کو مقدس مانا جاتا تھا۔ ان دیوتاؤں کے لیے سفید جانوروں کو قربان کیا گیا تھا۔ عیسائی مذہب میں بھی سفید لباس کو عام طور پر مقدس مانا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رنگ گناہ سے پاک ہونے اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ قدیم مصر میں فرعون سفید تاج پہنتا تھا۔ یہ ان کے لیے اس بات کی علامت تھی کہ وہ امن، آرام اور سکون کی زندگی گزار رہے ہیں^{۵۸}۔

سبز رنگ امید، بخشش اور خوشی سے منسلک ہے۔ تکالیف اور امتحانات سے بچنے کی علامت ہے۔ سبز رنگ تمام رنگوں میں سب سے واضح اور مستحکم رنگ ہے۔ یہ رنگ فطرت کے رنگوں میں انتہائی اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پودوں اور قیمتی پتھروں کو رنگ سبز ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی عقائد میں بھی اس رنگ کی بہت اہمیت ہے۔ یہ رنگ زراعت سے بھی منسلک ہے۔ یہ رنگ خوشی اور محبت کی علامت سمجھی جاتی ہے^{۵۹}۔

اقبال اور شوقی دونوں کی شاعری میں رنگوں کا استعمال ایک خاص مقصد کے لیے ہے۔ اس میں ایک خاص معنی پوشیدہ ہے۔ یہ دو عظیم شاعروں کے ثقافتی پس منظر سے متعلق بھی ہے۔

۳۔ وجود کی شاعری: اک ایسے وقت میں جب اقبال اور شوقی شاعری کر رہے تھے جب ارد گرد پورا ماحول ان کے خلاف تھا۔ انگریزوں کی استعماریت، غربت، پسماندگی سمیت کئی دوسرے مسائل ہم وطنوں کو درپیش تھے۔ ایسے دور میں ان عظیم شعرا کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے بہترین وسیلہ شعر گوئی نظر آیا۔ ان کی شاعری الفاظ کی ہیرا پھیری نہیں بلکہ ایک مجسم اور متحرک شاعری ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن^{۶۰}

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال نے زندہ تصویر کشی کی ہے۔ ان مرقعوں میں اقبال کا تخیل بھی شامل ہو کر ہم تک پہنچ رہا ہے۔ ہم یہ مرقع بہ الفاظ اقبال ان کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ان باغات میں موجود ہیں اور اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہ ان کا جمالیاتی نقطہ نظر ہے۔ اس مرقع میں پھولوں، شبنم اور سورج کی کرنوں کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ تمام عناصر ایک نیا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اردو شاعری میں ایک نئی تخلیقی جہت کا اضافہ کیا۔

شاعری میں ہم اپنی موجودگی اور عدم موجودگی بھی دیکھتے ہیں۔ تخلیق کی ابتدا اور آدم یعنی انسان کے باپ کی ظاہری شکل و صورت کے بارے میں منطقی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ محدود اور مطلق کے درمیان بات چیت میں گردش کی تحریک پیدا کر رہے ہیں۔ اقبال سمفونی، شوقی سمفونی کے ساتھ مداخلت کرتی ہے۔ شوقی کہتے ہیں:

نہے دریا اور ہوا کی حرکت، پودوں کے تنوں کے پیچھے الجھتی شاخوں کے درمیان پرندوں کی آواز کے مابین ہم آہنگی موجود ہے۔ ہر پھول دوسرے پھول سے مختلف خوشبو کا حامل ہے۔ بہت سی لڑکیوں کی طرح جنھوں نے شادی میں شرکت کی، آسمان اور زمین کے مابین یہ ہم آہنگی بہار کی خوب صورتی اور دھنوں کی عکاس ہے^{۶۱}۔

ایک سمفنی (symphony) اور ہے۔ جہاں لہر، ہوا، سبزوں اور پرندوں کی آواز ہے۔ آسمان میں اس سمفنی کی گنجائش، بہار اور اس کی خوشبو کی مہک پھیلتی ہے۔ اس نظم میں شوقی یہ ثابت کرتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہم آہنگی موجود ہے اور یہ ہم آہنگی دونوں حصوں کے درمیان ہے جہاں وہ وجود کی دو اطراف کے طور پر نمایاں ہے۔

اقبال اور شوقی نے فن کی آزادی، تخیل کی کارفرمائی اور فطرت کو پیش کرنے میں ایک مربوط نظام پیش کیا۔ ان کا کلام وطن سے محبت، تہذیب و ثقافت کا فروغ اور غیر ملکوں کی تہذیب و ثقافت سے بچنے کا منبع ہے۔ قوم کی ترقی ان کی شاعری کا اصل مقصد ہے۔ ان کی شاعری میں قومیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ یہ عناصر درحقیقت شاعر کے اپنے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ اقبال اور شوقی نے فطرت کی آواز کے ذریعے اپنے تمام تر مقاصد حاصل کرنے میں بڑی حد کامیابی حاصل کی۔ وہ انسان کو درپیش خدشات اور مایوسیوں کو بھی فطرت کا لبادہ پہنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ انھوں نے الفاظ کو نئے معانی دیے۔ نئے الفاظ متعارف کرائے۔ اسی بنا پر دونوں شعرا جدید شاعرانہ اسلوب کے حامل ٹھہرتے ہیں۔ جس کا مقصد خود کو ظاہر کرنا، اخلاقیات اور حقیقی جذبات کا اظہار کرنا تھا۔ دونوں شاعروں نے اپنے ماحول سے وابستہ فطرت کے عناصر کی ترجمانی کی۔ دونوں نے اپنے طرز خاص کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اقبال کی شاعری میں معنوی گہرائی اور ایک خاص فلسفہ بھی موجود ہے جس کی وجہ سے اقبال کو شوقی پر سبقت حاصل ہے۔



محواشی و حوالہ جات

- ۱۔ (پ: ۱۹۸۲ء) لکچرار، شعبہ اردو، جامعہ الازہر، قاہرہ۔
- ۲۔ عبد العزیز الدسوقی، مدرسة البعث وأثرها في الشعر الحديث، (قاہرہ: المصنعة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۹۹ء)، ۱۱-۲۳۔
- ۳۔ رام بابوسکینہ، تاریخ ادب اردو مع تعلیقات، (دہلی: انجیو کیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۹ء)، ۵۵۲۔
- ۴۔ سامی نشیہ، مفکرون من عصرنا (قاہرہ: مکتبہ اسرہ، ۲۰۰۸ء)، ۵۲۔
- ۵۔ عبد العزیز الدسوقی، مدرسة البعث وأثرها في الشعر الحديث، ۱۵۶۔
- ۶۔ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک (نئی دہلی: مظہر پبلی کیشن، ۲۰۰۵ء)، ۳۰۔
- ۷۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لپیڈز، ۲۰۱۳ء)، ۱۰۲۔
- ۸۔ ایضاً، ۱۰۲۔
- ۹۔ جودت الرکابی، الطبیعة في الشعر الأندلسي (دمشق: اشرقی پبلی کیشن، ۱۹۷۰ء)۔
- ۱۰۔ ایضاً۔
- ۱۱۔ شوقی نفیہ، تاریخ الأدب العربي: العصر الإسلامي (قاہرہ: دار المعارف)، ۳۷۵۔
- ۱۲۔ ابوالحسن الندوی، آئس کالج، قاہرہ یونیورسٹی میں ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء کو ایک لکچر، مشمولہ: روائع اقبال (دمشق: دار الفکر، ۱۹۶۰ء)، ۳۷۔
- ۱۳۔ ایضاً، ۳۷۔
- ۱۴۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۲۰۰۸ء)، ۶۶۸۔
- ۱۵۔ ایضاً، ۶۶۸۔
- ۱۶۔ ایضاً، ۷۰۲۔
- ۱۷۔ ایضاً، ۶۹۳۔
- ۱۸۔ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ۱۵۶۔
- ۱۹۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال، ۵۹۳-۵۹۴۔
- ۲۰۔ علامہ اقبال، بال جبریل (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ۱۳۵۔
- ۲۱۔ محی الدین صالح، الشعر على ألسنة الحيوان (ادب الاطفال من منظور اسلامي) مزید معلومات کے لیے دیکھیے: www.alukah.net
- ۲۲۔ علامہ اقبال، بال جبریل، ۱۶۷۔
- ۲۳۔ ایضاً، ۱۶۴۔
- ۲۴۔ ایضاً، ۱۲۰۔
- ۲۵۔ ایضاً، ۱۱۶۔
- ۲۶۔ احمد شوقی، شوقیات (قاہرہ: المجلس الاعلى للثقافة، ۲۰۰۷ء)، ت: محمد عبدالمطلب، جلد ۱، حصہ دوم، ۳۶۔
- ۲۷۔ تلك الطبيعة؛ قف بنا يا ساري
الأرض حولك والسماء اهتوتا
حتى أربك بديع صنع الباري
لروائع الآيات والاختار

أُمُّ الكتابِ على لسان القارى
لأدلة الفقهاء والأخبار
تمحو أثيم الشك والإنكار

من كل ناطقة الجلال، كأنما
ذلت على ملك الملوك، فلم تدع
من شك فيه فنظرة في صنعه
۲۶۔ بولویا (Parc de Belleville) پیرس کا ایک مشہور پارک ہے۔

۲۷۔ احمد شوقی، شوقیات، ۲۶۶-۲۶۷۔

أحاديث القرون الغابرينا
ومن دولاتهم ما تعلمينا
ومن نسب القبائل أجمعينا
ولا نحصي على الأرض الطحيننا
ودرت على المشيب رحي طحونا
وتبين الحياة تهدميننا
وما ولدوا، وتنتظر الجنيينا...!!

قفي يا اخت يوشع خبرينا
وقصي من مصارعهم علينا
فمثلك من روى الأخبار طرا
نرى لك في السماء خضيب قرن
مشيت على الشباب شواظ نار
تعنين المولد، والمنايا
فيالك هرة أكلت بنينا

۲۸۔ ایضاً، ۳۱۔

كما هر من والديه الوليد
أضاء لنا كل حال تضيد
إلهية زينت للعبيد
مما القديم، حياة الجديد
وتبلى جبال الصفا والحديد
على الزرع: الحصيد..

تهز الوجود تباشيرها
ويغشى الدنا من جلال سني
من النار... لكن أنوارها
هي الشمس كانت كما شاءها
ترد المياه إلى جسمها
وتطلع بالعيش أو بالردى

۲۹۔ ایضاً، ۲۷۔

ولى ذمم عليك، ولي عهد
ولنا بظلك، هل يعود؟
ورجوع أحلامي بعيد
هل للشبيبة من يعيد؟
وجد مع الذكرى يزيد

يا غاب بولون، ولى
زمن تقضى للهوى
حلم أريد رجوعه
وهب الزمان أعادها
يا غاب بولون، وبي

۳۰۔ ایضاً، ۳۳-۳۴۔

من كل أبيض في الفضاء وأخضرا
مشبوة الأجرام شائبة الذرى
وأناف مكشوف الجوانب منذرا

حيث الجبال صغارها وكبارها
تخذ الغمام بها بيوتاً فانجلت
والصخر عالٍ قام يشبه قاعداً

بين الكواكب والسحاب ترى له
والسبح من أي الجهات أتتبه
نثر الفضاء عليه عقْد نجومه
أُذُنًا من الحجر الأصم ومشفرا
ألفيته درجاً يموج مدورا
فبدا زبرجده بهن مجوها

۳۱۔ محمد عبد المطلب، سلطه الشعر (قاہرہ: الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۲۰۰۹ء)۔

۳۲۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد دوم، حصہ چہارم، ۱۲۰۔

أقبلي كالشمس لم تجعل لها
أقبلي في بحرك الطامي إذا
أقبلي كالشمس راقا في الضحى
موكباً أو تتخذ من حاشرين
عبك السيف بموج المحتفين
ثم راعت في الأصيل الناظرين
یہ ایک اہم تہوار ہے جس کو مصری فرعونوں نے منایا اور عظیم دریائے نیل سے محبت اور وفاداری کا اظہار کیا، اس یا دگار میں انھوں نے سب سے خوب صورت لڑکی کو نیل میں قربانی کی خاطر پھینک دیا۔

دیکھیے: ابن ایس، بدائع الزهور فی وقائع الدهور (قاہرہ: الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۸۳ء)۔

۳۳۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۶۹۔

في مهرجان هزت الدنيا به
فرعون تحت لوائه، وبنائه
حتى إذا بلغت مواكبها المدى
وكسا سماء المهرجان جلاله
وتلفتت في اليم كل سفينة
ألقت إليك بنفسها ونفيسها
أعطافها، واختال فيه المشرق
يجري بهن على السفين الزورق
وجرى لغايته القضاء الأسبق
سيف المنية وهو صلت يبرق
وانثال بالواذي الجموع وحذقوا
وأنتك شقية حواها شيق..

۳۵۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۱۸۰۔

قد سمع الثعلب أهل القرى
فقال حقاً هذه غايه
من في النهى مثلي حتى الورى
ما ضرّ لو وافيتهم زائراً
لعلمهم يُحيون لي زينة
وقصد القوم وحياتهم
فأخذ الزائر نت أذنه
فلا تنق يوماً بذي حيلة
يدعون محتالاً بيا ثعلب
في الفخر لا تؤتى ولا تطلب
أصبح فيهم مثلاً يضرب
أربهم فوق الذي استغربوا
يحضرها الديك أو الأرنب
وقام فيما بينهم يخطب
وأعطى الكلب به يلعب!
إذ رُما ينخدع الثعلب!

۳۶۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد دوم، حصہ چہارم، ۱۸۸۔

هرتي جد أليفه
وهي للبيت حليفه

ہی ما لم تتحرک
فإذا جاءت وراحت
شغلها الفأر تنقي الر
وتقوم الظھر والعصر
دُمیة البيت الطریفہ
زید فی البيت وصیفہ
ث منہ والسقیفہ
بأوراد شریفہ

۳۷۔ ہال کین (Hall Caine ۱۸۵۳ء-۱۹۳۱ء) شوقی کے معاصر اور ایک مشہور انگریزی مصنف تھے۔

۳۸۔ علامہ اقبال، بالی جبریل، ۱۲۲-۱۲۳۔

۳۹۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، ۲۳-۲۴۔

وبقائئ التشرین فی أغصانها
و"الباسمین"، لطیفہ وتقیہ
مُتَأَلِّقُ خَلَلِ الغصون، كأنه
و"الجُنَّازُ" دمٌ على أوراقه
وكان مخزون "البنفسج" ثاكل
وعلى "الخواطر" رقة وكابة
والسُرُ في الجبر السوانغ كاشف
و"النخل" ممشوق العذوق مُعَضَّبُ
كالذُر رُكَب في صدور رماح
كسيرة المتنزه المسماح
في بُلجة الأفنان ضوء صباح
قاني الحروف، كخاتم السفاح
يلقى القضاء بخشية وصلاح
كخاطر الشعراء في الأتراح
عن ساقه كملیحة مفرح
متزین بمناطق ووشاح

۴۰۔ نیلوفر ایک نیلے پھول کا نام ہے جو دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۴۱۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۴۔

وترى الفضاء كحائط من مرمَر
الغیم فیہ كالنعام: بدینة
والشمس أبهى من عروس برقع
والماء بالوادي يُخال مساربا
بعث له شمس النهار أشعة
یزهو على ورق الغصون نثیرها
نُضِدت عليه بدائع الألواح
برکت، وأخرى خلقت بجناح
یوم الزفاف بعسجد وضاح
من زئبق، أو مُلقیات صفاح
كانت حلی (النیلوفر) السباح
زهُو الجواهر فی بطون الزاح

۴۲۔ صفی الشارونی، موسوعة الفنون الجميلة المصرية في القرن العشرين (مصری لبنانی ہاؤس، ۲۰۱۳ء)، حصہ اول، ۵۲۔

۴۳۔ علامہ اقبال، بالی جبریل، ۱۲۳۔

۴۴۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۴۔

وجرت سواق كالنوادب بالقری
الشاكيات وما عرّفن صباہ
من كل بادية الضلوع غلیلة
رُعن الشجی بآنہ ونواح
الباکیات بمدّمع سحاح
والماء فی أحشائها، ملواح

- تبكي إذا رَتَبْتُ، وتَضْحَكُ إنْ هَفَّتْ
هي في السلاسل والغلول؛ وجارها
- ۳۵ علامہ اقبال، بآلِ جبریل، ۱۲۳۔
- ۳۶ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۲۔
حيَ الربيع حديقَةَ الأرواح
وانشُرْ بساحتهِ بساطَ الرّاح
فالصفو ليس على المدى يمتّاح
لتجاوِبِ الأوتارِ والأقْداح
عُرِّ، كأمثالِ النجوم، صباح
- ۳۷ علامہ اقبال، بآلِ جبریل، ۱۲۲-۱۲۳۔
- ۳۸ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۵۔
إني لأذكُرُ بالربيع وحسنه
هل كان إلّا زهرةً كزهوده
- ۳۹ حسين ثنّوان، المعجم اللوغي في شعر عزالدين المناصرة، مشموله: افكار (وزارة الثقافة الاردنية، جولائی ۲۰۰۳ء)، شمارہ ۱۸۹۔
- ۵۰ علامہ اقبال، بآلِ جبریل، ۱۲۲۔
- ۵۱ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ۵۹۳-۵۹۴۔
- ۵۲ احمد مختار عمر، اللغة والمون (قاہرہ: مطبعة علام، ۱۹۹۷ء)، اشاعت دوم، ۲۰۱۔
- ۵۳ ایضاً، ۲۰۱۔
- ۵۴ انطوان غطاس کرم، الرمزية والأدب العربي الحديث (بيروت: دار الکشاف، ۱۹۹۴ء)، ۹۴۔
- ۵۵ سورة البقرة: آية ۶۹۔
- ۵۶ ابو الاعلیٰ مودودی، Quran.com، quran.com/2/69/ur-al-maududi، ۱۵، جون، ۲۰۲۰ء۔
- ۵۷ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۳۳-۳۴۔
حيث الجبال صغارها وكبارها
- ۵۸ احمد مختار عمر، اللغة والمون، ۱۶۳۔
- ۵۹ ایضاً، ۱۶۳۔
- ۶۰ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ۵۹۳-۵۹۴۔
- ۶۱ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۱۹۰-۱۹۱۔
رثم الروضَ جدولاً ونسيماً
وشدّت في الرّيا الرياحينُ همساً
كلُّ رِيحانةٍ بلحنٍ كغرسٍ
وتلا طيرَ أَيْكِه غصنُ بانه
كتغنى الطّروبِ في وجدانه
أَلَفْتُ للغناء شتى قِيانه

نغم في السماء والأرض شتى من معاني الربيع أو ألحانه

مآخذ

- ابن ایاس - بدائع الزهور فی وقائع الدهور - قاهره: الهيئه المصريه العامه للكتاب، ۱۹۸۴ء۔
- اقبال، علامہ - بال جبریل - لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۰ء۔
- _____ - کلیات اقبال - لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۲۰۰۸ء۔
- الدسوقي، عبد العزيز - مدرسه البعث وأثرها في الشعر الحديث - قاهره: الهيئه المصريه العامه للكتاب، ۱۹۹۹ء۔
- الركابي، جودت - الطببيعہ في الشعر الأندلسي - دمشق: الشرقی پبلی کیشن، ۱۹۷۰ء۔
- الشاروني، صفي - موسوعة الفنون الجميلة المصرية في القرن العشرين - مصرى لبثاني هاؤس، ۲۰۱۳ء۔
- الندوي، ابو الحسن - آرٹس کالج، قاهره يونيورٹی میں ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء کو ایک ليکچر - مشمولہ: روائع اقبال - دمشق: دار الفكر، ۱۹۶۰ء۔
- حالی، الطاف حسين - مقدمہ شعر و شاعری - نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ليڈز، ۲۰۱۳ء۔
- نخبة، سامی - مفكرون من عصرنا - قاهره: مکتبہ اسره، ۲۰۰۸ء۔
- عبدالمطلب، محمد - سلطه الشعر - قاهره: الهيئه المصريه العامه للكتاب، ۲۰۰۹ء۔
- عمر، احمد مختار - اللغة واللون - قاهره: مطبعة علام، ۱۹۹۷ء۔
- سکينہ، رام بابو - تاريخ ادب اردو مع تعليقات - دہلی: اسٹيوکيشنل پبلشنگ هاؤس، ۲۰۰۹ء۔
- شوقي، احمد - شوقيات - قاهره: المجلس الاعلى للثقافه، ۲۰۰۷ء۔ ت: محمد عبدالمطلب۔
- ضيف، شوقي - تاريخ الادب العربي: العصر الاسلامي - قاهره: دار المعارف۔
- كرم، الطوان غطاس - الرمزية والأدب العربي الحديث - بيروت: دار الاكشاف، ۱۹۹۴ء۔
- مظہری، كوثر - جديد نظم: حالي سے ميراجی تك - نئی دہلی: مظہر پبلی کیشن، ۲۰۰۵ء۔
- مودودي، ابو الاعلیٰ، ترجمہ قرآن مجيد - لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جون ۲۰۰۹ء۔
- نشان، حسين - المعجم اللغوي في شعر عبد الدين المناصرة - مشمولہ: افكار - وزارة الثقافه الاردنيه، جولائی ۲۰۰۴ء۔ شمارہ ۱۸۹۔